ذوالکفل بخاری

گرمیوں میں بس کا سفر

کئی روز ہوئے ہمارے استاذ محترم نے یہ مضمون لکھ لانے کو کہا بی اے کے طالب علم کو اس عنوان میں کیا کشش محسوس ہو سکتی ہے؟ یہ ہمیں تبھی پتہ چلا ہو یہ ایک سیدھی سادی تھکاوٹ (Fatigue) تھی جو ہم جھیل گئے اس کو شائع کرانے کا ارادہ تو ہمارے شیطان کا بھی نہیں تھا لیکن اب یہ مرحلہ ہائے اشاعت میں داخل ہو رہا ہے اس کا سبب مدیر نقیب ختم نبوت کا اسے اچانک ملاحظہ فرمانا اور قابل اشاعت باور فرمالینا ہے اُن کے اس فیصلہ پر مجھے یقین ہے کہ میرے شیطان نے سر پیٹ ہی لیا ہو گا بہر حال جو بھی ہے آپ کے سامنے ہے کوئی اسے مضمون نہ کہے مضمون نما کہے فرمائشی ہنسی کہے مجھے قبول ہے بلکہ اگر کوئی اسے انشائیہ کہہ دے تو بھی میں اس کا برا نہیں مانوں گا!

منیر نیازی ہمارے عہد کا بہت بڑا شاعر ہے اور پاکستانی قوم میں بڑے شاعر کی بڑی نشانی یہی ہے کہ وہ ہر طرح کی قمی میں قوم کے کام آئے ڈاکٹر اقبال بھی تو اسی لئے بڑے شاعر ہیں کہ (بقول قدرت اللہ شہاب) ”جلسے جلوس میں گڑبڑ کا احتمال ہو تو اس کی روک تھام کے لئے اقبال کا شعر، دھواں دار تقریر میں سانس پھولنے لگے تو دم لینے کے لئے اقبال کا شعر رسالوں میں بچی کھچی جگہ پر کرنے کے لئے اقبال کا شعر ریڈیو میں فالتو لمحات گذارنے کے لئے اقبال کا شعر گرمی گفتار ہو یا گالی گلوچ نصیحت ہو یا فصیحت، وقت بے وقت جگہ بے جگہ (اقبال کے) غریب اشعار کا حلیہ بری طرح بگاڑا جاتا ہے“ تو صاحبو آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ تحریر منیر نیازی کو بڑا شاعر ثابت کرنے کے لئے بہر حال نہیں لکھی جا رہی (کہ ہمیں کیا ضرورت ہے ان کے منہ آنے کی) بلکہ گرمیوں میں بس کا سفر لکھا جا رہا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ گرمیوں میں سفر ایسے ہی آتا ہے گویا رمضان المبارک میں دس محرم آجائے، بہر حال یہ منیر نیازی کی شرافت، عظمت، بندہ پروری اور خورد نوازی ہے کہ وہ ہمیں مایوس نہیں کرتے (اب آپ کہیں یہ نہ کہیں کہ میں منیر نیازی کی شرافت ثابت کرنے چلا ہوں)

جناب صدر! میرا موضوع سخن در سخن ہے بسوں میں گرمیوں کا سفر گرمیوں میں بس کا سفر، بس میں سفر کی گرمیاں، اوہ معاف کیجئے گا جناب صدر نہیں پیارے قارئین، پھل کھانے قارئین اور گرمیوں میں بس کے مسافر قارئین، منیر نیازی فرماتے ہیں

منیر اس بس پہ آسیب کا سایہ ہے یا کیا ہے
کہ حرکت تیز تر ہے اور سفر آہستہ آہستہ

اور یقین مانیں کہ یہ میری بس کے متعلق کہا ہے میرا مطلب ہے کہ جس بس پر میں اس وقت گرمیوں کی قہر آلود سہ پہر میں بیٹھا دھوپ تاپ رہا ہوں آگ تاپ رہا ہوں سورج تاپ رہا ہوں اور اس سے بڑھ کر بس کا انجن تاپ رہا ہوں او. نوبت بایں رسید کہ اب بقول ناسخ

میں ہوں وہ آتش کا پرکالہ کہ میرے سامنے
آفتاب آکر کہے جاڑے سے تھراتا ہوں میں

دماغ تپ کر پگھل رہا ہے اور پگھل پگھل کر ابل رہا ہے دل کو جوش پر جوش آرہا ہے پورے جسم سے جو نانده سوری پسینہ کی ندیاں رواں ہیں پسینہ، جس کے متعلق حکیم الامت نے فرمایا تھا کہ

میرے پنڈے سے دریا دریا نیا پسینہ ابل رہا ہے

پسینہ، جس کے متعلق قائداعظم نے فرمایا تھا --- پسینہ پسینہ اور پسینہ! پسینہ جس کے متعلق --- میں معذرت چاہتا ہوں کہ رابطہ کٹ جانے سے بات مکمل نہیں کر سکا ”لیکن اس سے فرق تو پڑتا نہیں کوئی“

ہاں صاحب رابطہ یوں کٹ گیا کہ چکنائی سے لتھڑے ہوئے اور پسینے سے نہلائے ہوئے ہمہ یاراں دوزخ کے بیسیوں ریلوں کے بعد کا ریلا مجھ فقیر بے کلاہ و بے گلیم و بے ----(لاحول ولا قوۃ) کی اکڑوں (بلکہ ککڑوں کوں) پوزیشن خراب کرتے ہوئے (بلکہ بے عزتی خراب کرتے ہوئے) میرے سر گردن بازوؤں کوہان (یقیناً کوہان کہ کمر میں تو پگھلنے کو اتنی ڈھیر ساری چربی ہوتی نہیں) اور لاتوں کے آس پاس سے گذر جانے کی کوشش کررہا ہے

گذر جا سیل تند خو بن کے کوہ و بیاباں سے

لیکن آہ! یہ سیل یہ ریلا جو گذرتا بھی نہیں جو ٹھہرتا بھی نہیں جو جمتا بھی نہیں جو رکتا بھی نہیں اور یہ میں ہوں واقعی آپ کہتے ہیں تو میں ہی ہوں گا اگر اب بھی میں میں ہوں تو شاعر نے میرے لئے کہا ہے کہ

اک بندۂ عاصی کی اور اتنی مداراتیں

اور لیجئے حضرات کنڈکٹر کا درد (حتمی طور پر) بے درماں ہو چکا ہے جی ہاں یہ بھی شاعر مشرق کا عارف و معتقد ہے اور ہماری آنکھوں کے راستے جگر تک پہنچ جانا چاہتا ہے (آنکھیں جو جگر دھواں دار کے لئے چمنیاں بنی ہوئی ہیں) اور شاید یہی کہنا چاہتا ہے کہ

یہ بس ابھی ناتمام ہے شاید .....!

کہ آرہی ہے دمادم سواریوں پہ سواری

جی ہاں یہ کنڈکٹر ہے یہ کنٹرولر ہے یہ ڈکٹیٹر ہے یہ آمر ہے یہ ڈرائیور کی باقیات ہے اور ہاں یہ پنجابی کا کلینڈر رہے کہ میں جسے کہنا بھی چاہوں تو کیسے کہوں

مینوں رکھ لے کلینڈر نال وے

لمیاں روٹاں تے

لمیاں وے لمیاں

کوئی بتلاؤ کہ کیسے کہوں کوئی نہیں بتلاتا تو ہمیں کو سوچنا چاہئے اتنے آپ میرا جو ہر جو شانۂ آئینہ ایام اور بے بسان بس اندر کے لئے میرا آخری الہامی پیغام ملاحظہ فرمائیں (آپ کی خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب چاہتے ہوئے) اور راستے میں اپنی بس بیمار پڑا اپنے تن مردار پر اور آخر ہوتے قرطاس پہ حسرت کی نظر ڈال لوں

جتھاں ٹرپئے سفر تھی گئے

جتھاں بہہ گئے اوہ گھر تھی گئے

جتھاں پھس گئے قبر تھی گئے